وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا

اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں،[۳۰] یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے۔ اور اے نبیؐ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں،[۳۱] اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں،[۳۲]

یا علاج کے لیے طبیب کا مریضہ کو دیکھنا وغیرہ۔

(۴) غضِّ بصر کے حکم کا منشا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی عورت اور مرد کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔

[۳۰] شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد محض ناجائز شہوت رانی سے پرہیز ہی نہیں ہے بلکہ اپنے ستر کو دوسروں کے سامنے کھولنے سے پرہیز بھی ہے۔ مرد کے لیے ستر کے حدود نبی ﷺ نے ناف سے گھٹنے تک مقرر فرمائے ہیں۔ (دار قطنی، بیہقی) تنہائی میں بھی ننگا رہنا ممنوع ہے۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے **ایاکم والتعرّی فان معکم من لاَ یفارقکم الاَ عند الغائط وحین یفضی الرجل الیٰ اھلہ فاستحیوھم واکرموھم** ''خبردار، کبھی ننگے نہ رہو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہیں جو کبھی تم سے جدا نہیں ہوتے (یعنی خیر اور رحمت کے فرشتے) سوائے اس وقت کے جب تم رفع حاجت کرتے ہو یا اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہو، لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کا احترام ملحوظ رکھو۔'' (ترمذی)

[۳۱] عورتوں کے لیے بھی غضِّ بصر کے احکام وہی ہیں جو مردوں کے لیے ہیں، یعنی انہیں قصداً غیر مردوں کو نہ دیکھنا چاہیے، نگاہ پڑ جائے تو ہٹا لینی چاہیے، اور دوسروں کے ستر کو دیکھنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لیکن مرد کے عورت کو دیکھنے کی بہ نسبت عورت کے مرد کو دیکھنے کے معاملے میں احکام تھوڑے سے مختلف ہیں۔ {اس سلسلے میں وارد ہونے والی مختلف} روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مردوں کو دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی مردوں کے عورتوں کو دیکھنے کے معاملے میں ہے۔ ایک مجلس میں آمنے سامنے بیٹھ کر دیکھنا ممنوع ہے۔ راستہ چلتے ہوئے یا دور سے کوئی جائز قسم کا کھیل تماشا دیکھتے ہوئے مردوں پر نگاہ پڑنا ممنوع نہیں ہے۔ اور کوئی حقیقی ضرورت پیش آ جائے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دیکھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

[۳۲] یعنی ناجائز شہوت رانی سے بھی پرہیز کریں، اور اپنا ستر دوسروں کے سامنے کھولنے سے بھی۔ اس معاملے میں عورتوں کے لیے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے لیے ہیں۔ لیکن عورت کے ستر کے حدود مردوں سے مختلف ہیں۔ نیز عورت کا ستر مردوں کے لیے الگ ہے اور عورتوں کے لیے الگ۔

مردوں کے لیے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اُس کا پورا جسم ہے جسے شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد، حتیٰ کہ باپ اور بھائی کے سامنے بھی نہ کھلنا چاہیے، اور عورت کو ایسا باریک یا چست لباس بھی نہ پہننا چاہیے جس سے بدن اندر سے جھلکے یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ اُن کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ حضورؐ نے فوراً منہ پھیر لیا اور فرمایا ''اسماء، جب عورت بالغ ہو جائے تو جائز نہیں ہے کہ منہ اور ہاتھ کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے۔'' (ابوداؤد)

اور عورت کے لیے عورت کے ستر کے حدود وہی ہیں جو مرد کے لیے مرد کے ستر کے ہیں، یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورتوں کے سامنے عورت نیم برہنہ رہے۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ڈھانکنا

يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ص

اور اپنا[۳۳] بناؤ سنگھار نہ دکھائیں[۳۴] بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے،[۳۵] اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔[۳۶]

فرض ہے اور دوسرے حصوں کا ڈھانکنا فرض نہیں ہے۔

[۳۳] یہ بات نگاہ میں رہے کہ شریعت الٰہی عورتوں سے صرف اتنا ہی مطالبہ نہیں کرتی جو مردوں سے اس نے کیا ہے، یعنی نظر بچانا اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنا، بلکہ وہ اُن سے کچھ اور مطالبے بھی کرتی ہے جو اس نے مردوں سے نہیں کیے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس معاملے میں عورت اور مرد یکساں نہیں ہیں۔

[۳۴] ''بناؤ سنگھار'' ہم نے ''زینت'' کا ترجمہ کیا ہے، جس کے لیے دوسرا لفظ آرائش بھی ہے۔ اس کا اطلاق تین چیزوں پر ہوتا ہے: خوشنما کپڑے، زیور، اور سر، منہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ کی مختلف آرائشیں جو بالعموم عورتیں دنیا میں کرتی ہیں، جن کے لیے موجودہ زمانے میں (Make up) کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہ بناؤ سنگھار کس کو نہ دکھایا جائے، اِس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[۳۵] پہلے فقرے میں ارشاد ہوا ہے کہ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ ''وہ اپنی آرائش و زیبائش کو ظاہر نہ کریں۔'' اور دوسرے فقرے میں اِلَّا بول کر اس حکم نہی سے جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ہے مَا ظَهَرَ مِنْهَا، ''جو کچھ اس آرائش و زیبائش میں سے ظاہر ہو، یا ظاہر ہو جائے۔'' اِس سے صاف مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمائش نہ کرنی چاہیے، البتہ جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے (جیسے چادر کا ہوا سے اُڑ جانا اور کسی زینت کا کھل جانا) یا جو آپ سے آپ ظاہر ہو (جیسے وہ چادر جو اوپر سے اوڑھی جاتی ہے، کیونکہ بہر حال اس کا چھپانا تو ممکن نہیں ہے، اور عورت کے جسم پر ہونے کی وجہ سے بہر حال وہ بھی اپنے اندر ایک کشش رکھتی ہے) اس پر خدا کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ یہی مطلب اس آیت کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حسن بصری، ابن سیرین اور ابراہیم نخعی نے بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس بعض مفسرین نے ماظهر منها کا مطلب لیا ہے ما يظهره الانسان على العادة الجارية (جسے عادۃً انسان ظاہر کرتا ہے)، اور پھر وہ اس میں منہ اور ہاتھوں کو ان کی تمام آرائشوں سمیت شامل کر دیتے ہیں۔ یہ مطلب ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں سے مروی ہے اور فقہاء حنفیہ کے ایک اچھے خاصے گروہ نے اسے قبول کیا ہے۔ (احکام القرآن جصّاص، جلد ۳، صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹) لیکن ہم یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں کہ مَاظَهَرَ کے معنی مَايَظْهَرُ عربی زبان کے کس قاعدے سے ہو سکتے ہیں۔ ''ظاہر ہونے'' اور ''ظاہر کرنے'' میں کھلا ہوا فرق ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن صریح طور پر ''ظاہر کرنے'' سے روک کر ''ظاہر ہونے'' کے معاملے میں رخصت دے رہا ہے۔ اس رخصت کو ''ظاہر کرنے'' کی حد تک وسیع کرنا قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان روایات کے بھی خلاف جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں حکم حجاب آ جانے کے بعد عورتیں کھلے منہ نہیں پھرتی تھیں، اور حکم حجاب میں منہ کا پردہ شامل تھا، اور احرام کے سوا دوسری تمام حالتوں میں نقاب کو عورتوں کے لباس کا ایک جز بنا دیا گیا تھا۔ پھر اس سے بھی زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ اس رخصت کے حق میں دلیل کے طور پر یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ منہ اور ہاتھ عورت کے ستر میں داخل نہیں ہیں۔ حالانکہ ستر اور حجاب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ستر تو وہ چیز ہے جسے محرم مردوں کے سامنے کھولنا بھی ناجائز ہے۔ رہا حجاب، تو وہ ستر سے زائد ایک چیز ہے جسے عورتوں اور غیر محرم مردوں کے درمیان حائل کیا گیا ہے، اور یہاں بحث ستر کی نہیں بلکہ احکام حجاب کی ہے۔

[۳۶] زمانۂ جاہلیت میں عورتیں {دوپٹوں سے بے نیاز رہتی تھیں}۔ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمان عورتوں میں دوپٹہ رائج کیا گیا، جس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ آج کل کی صاحبزادیوں کی طرح بس اُسے بل دے کر گلے کا ہار بنا لیا جائے۔ بلکہ یہ تھا کہ اسے اوڑھ کر

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ

وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے[۳۷]: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ[۳۸]، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے[۳۹]، بھائی[۴۰]، بھائیوں کے بیٹے[۴۱]، بہنوں کے بیٹے[۴۲]، اپنے میل جول کی عورتیں[۴۳]، اپنے لونڈی[۴۴]، غلام، وہ زیردست مرد

سر، کمر، سینہ، سب اچھی طرح ڈھانک لیے جائیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورۂ نور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اس کو سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹے اور ان کے دوپٹے بنائے۔ (ابن کثیر ج ۳، ص ۲۸۴۔ ابوداؤد، کتاب اللباس)

یہ بات کہ دوپٹہ باریک کپڑے کا نہ ہونا چاہیے، ان احکام کے مزاج اور مقصد پر غور کرنے سے خود ہی آدمی کی سمجھ میں آجاتی ہے، پھر صاحب شریعت ﷺ نے خود بھی اس کی تصریح فرمادی ہے۔ ملاحظہ ہو: (ابوداؤد، کتاب اللباس میں دحیہ کلبی کی روایت)

[۳۷] یعنی جس حلقے میں ایک عورت اپنی پوری زینت کے ساتھ آزادی سے رہ سکتی ہے وہ ان لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس حلقے سے باہر جو لوگ بھی ہیں، خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی، بہرحال ایک عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آئے۔

[۳۸] باپ کے مفہوم میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا پردادا اور نانا پرنانا بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ایک عورت اپنی ددھیال اور ننھیال، اور اپنے شوہر کی ددھیال اور ننھیال کے ان سب بزرگوں کے سامنے اسی طرح آسکتی ہے جس طرح اپنے والد اور خسر کے سامنے آسکتی ہے۔

[۳۹] بیٹوں میں پوتے پرپوتے اور نواسے پرنواسے سب شامل ہیں۔ اور اس معاملے میں سگے سوتیلے کا کوئی فرق نہیں ہے۔ اپنے سوتیلے بچوں کی اولاد کے سامنے عورت اسی طرح آزادی کے ساتھ اظہار زینت کرسکتی ہے جس طرح خود اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے سامنے کرسکتی ہے۔

[۴۰] ''بھائیوں'' میں سگے اور سوتیلے اور ماں جائے بھائی سب شامل ہیں۔

[۴۱] بھائی بہنوں سے مراد تینوں قسم کے بھائی بہن ہے اور ان کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں سب پر ان کی اولاد کا اطلاق ہوتا ہے۔

[۴۲] یہاں چونکہ رشتہ داروں کا حلقہ ختم ہو رہا ہے اور آگے غیر رشتہ دار لوگوں کا ذکر ہے، اس لیے آگے بڑھنے سے پہلے تین مسائل کو اچھی طرح سمجھ لیجیے، کیونکہ ان کو نہ سمجھنے سے متعدد الجھنیں واقع ہوتی ہیں:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ بعض لوگ اظہارِ زینت کی آزادی کو صرف اُن رشتہ داروں تک محدود سمجھتے ہیں جن کا نام یہاں لیا گیا ہے، باقی سب لوگوں کو، حتیٰ کہ سگے چچا اور سگے ماموں کو اُن رشتہ داروں میں شمار کرتے ہیں جن سے پردہ کیا جانا چاہیے، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کا نام قرآن میں نہیں لیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ سگے چچا اور ماموں تو درکنار، نبی ﷺ نے تو رضاعی چچا اور ماموں سے بھی پردہ کرنے کی حضرت عائشہؓ کو اجازت نہ دی۔ (صحاح ستہ اور مسند احمد) اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے خود اس آیت سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ جن جن رشتہ داروں سے ایک عورت کا نکاح حرام ہے وہ سب اسی آیت کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً چچا، ماموں، داماد اور رضاعی رشتہ دار۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن رشتہ داروں سے ابدی حرمت کا رشتہ نہ ہو۔ (یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ عورت کا نکاح جائز ہو) وہ نہ تو محرم رشتہ داروں کے حکم میں ہیں کہ عورتیں بے تکلف ان کے سامنے اپنی زینت کے ساتھ آئیں، اور نہ بالکل اجنبیوں کے حکم میں کہ عورتیں ان سے ویسا ہی مکمل پردہ کریں جیسا غیروں سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ٹھیک ٹھیک کیا رویہ ہونا چاہیے، یہ شریعت میں متعین نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا۔ اس کے حدود مختلف رشتہ داروں کے معاملے میں اُن کے رشتے، ان کی عمر، عورت کی عمر، خاندانی تعلقات و روابط، اور فریقین کے حالات (مثلاً مکان کا مشترک ہونا یا الگ الگ مکانوں میں رہنا) کے لحاظ سے لامحالہ مختلف ہوں گے اور ہونے چاہییں۔ اِس معاملے میں نبی ﷺ کا اپنا طرزِ عمل جو کچھ تھا اس سے ہم کو یہی رہنمائی ملتی ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، جو نبی ﷺ کی سالی تھیں، آپ کے سامنے ہوتی تھیں، اور آخر وقت تک آپ کے اور ان کے درمیان کم از کم چہرے اور ہاتھوں کی حد تک کوئی پردہ نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو ابوداؤد، کتاب الحج، باب المحرم یؤدِّب غلامہٗ) اسی طرح حضرت اُمِّ ہانیؓ، جو ابوطالب کی صاحبزادی اور نبی ﷺ کی چچازاد بہن تھیں، آخر وقت تک حضورؐ کے سامنے ہوتی رہیں، اور کم از کم منہ اور چہرے کا پردہ انہوں نے آپ سے کبھی نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو ابوداؤد، کتاب الصوم، بابٌ فی النیۃ فی الصوم والرخصۃ فیہ) دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت فضل بن عباسؓ اور عبدالمطلب بن ربیعہؓ {جن کی ابھی شادیاں نہیں ہوئی تھیں} یہ دونوں حضرت زینبؓ کے مکان پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضرت زینبؓ فضلؓ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ اور عبدالمطلب بن ربیعہؓ کے والد سے بھی ان کا وہی رشتہ ہے جو فضلؓ سے۔ لیکن وہ ان دونوں کے سامنے نہیں ہوتیں اور حضورؐ کی موجودگی میں ان کے ساتھ پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج) اِن دونوں قسم کے واقعات کو ملا کر دیکھا جائے تو مسئلے کی صورت وہی کچھ سمجھ میں آتی ہے جو اوپر ہم بیان کر آئے ہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جہاں رشتے میں شبہ پڑ جائے وہاں محرم رشتہ دار سے بھی احتیاطاً پردہ کرنا چاہیے۔

[۴۳] اصل میں نِسَآءِ هِنَّ استعمال ہوا ہے، جس کا لفظی ترجمہ ہے ''ان کی عورتیں۔'' اس سے کون عورتیں مراد ہیں۔ اس میں فقہاء اور مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسلمان عورتیں ہیں۔ غیر مسلم عورتیں خواہ وہ ذمّی ہوں یا کسی اور قسم کی، اُن سے مسلمان عورتوں کو اسی طرح پردہ کرنا چاہیے جس طرح مردوں سے کیا جاتا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد تمام عورتیں ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر فی الواقع اللہ تعالیٰ کا منشا بھی یہی تھا تو پھر نِسَآءِ هِنَّ کہنے کا کیا مطلب؟ اس صورت میں تو محض النساء کہنا چاہیے تھا۔

تیسری رائے یہ ہے اور یہی معقول بھی ہے اور قرآن کے الفاظ سے قریب تر بھی کہ اس سے دراصل ان کے میل جول کی عورتیں، اُن کی جانی بوجھی عورتیں، ان سے تعلقات رکھنے والی اور ان کے کام کاج میں حصہ لینے والی عورتیں مراد ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ اور مقصود اُن عورتوں کو اِس دائرے سے خارج کرنا ہے جو یا تو اجنبی ہوں کہ ان کے اخلاق و تہذیب کا حال معلوم نہ ہو، یا جن کے ظاہری حالات مشتبہ ہوں اور ان پر اعتماد نہ کیا جا سکے۔ اس رائے کی تائید اُن صحیح احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس ذمّی عورتوں کی حاضری کا ذکر آتا ہے۔ اِس معاملے میں اصل چیز جس کا لحاظ کیا جائے گا وہ مذہبی اختلاف نہیں بلکہ اخلاقی حالت ہے۔

[۴۴] اِس حکم کا مطلب سمجھنے میں بھی فقہاء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے۔ ایک گروہ اس سے مراد صرف وہ لونڈیاں لیتا ہے جو کسی عورت کی مِلک میں ہوں۔ ان حضرات کے نزدیک ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی خواہ مشرکہ ہو یا اہلِ کتاب میں سے، مسلمان مالکہ اس کے سامنے تو اظہارِ زینت کر سکتی ہے مگر غلام، چاہے وہ عورت کا اپنا مملوک ہی کیوں نہ ہو، پردے کے معاملہ میں اس کی

غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾

جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں[۴۵]، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔[۴۶] وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔[۴۷] اے مومنو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو،[۴۸] توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔[۴۹]

حیثیت وہی ہے جو کسی آزاد اجنبی مرد کی ہے۔ یہ عبداللہؓ بن مسعودؓ، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اِن بزرگوں کا استدلال یہ ہے کہ غلام کے لیے اُس کی مالکہ محرم نہیں ہے۔ رہے مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے الفاظ تو یہ الفاظ اگرچہ عام ہیں مگر موقع و محل ان کا مفہوم لونڈیوں کے لیے خاص کر رہا ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس اجازت میں لونڈی اور غلام دونوں شامل ہیں۔ یہ حضرت عائشہؓ اور اُم سلمہؓ اور بعض ائمۂ اہل بیت کا مذہب ہے اور امام شافعیؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے۔ ان کا استدلال صرف لفظ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کے عموم ہی سے نہیں ہے بلکہ {بعض احادیث سے بھی ہے}۔

[۴۵] ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محرم مردوں کے سوا دوسرے کسی مرد کے سامنے ایک مسلمان عورت صرف اُس صورت میں اظہارِ زینت کر سکتی ہے جب کہ اس میں دو صفات پائی جاتی ہوں: ایک یہ کہ وہ زیردست اور ماتحت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ خواہش نہ رکھنے والا ہو، یعنی اپنی عمر یا جسمانی عدم اہلیت، یا عقلی کمزوری، یا فقر و مسکنت، یا زیردستی و محکومی کی بنا پر جس میں یہ طاقت یا جرأت نہ ہو کہ صاحبِ خانہ کی بیوی، بیٹی، بہن یا ماں کے متعلق کوئی بری نیت دل میں لا سکے۔

[۴۶] یعنی جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس بارہ برس کی عمر تک کے لڑکوں پر صادق آسکتی ہے۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگرچہ نابالغ ہوں، مگر ان میں صنفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

[۴۷] نبی ﷺ نے اس حکم کو صرف زیوروں کی جھنکار تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس سے یہ اصول اخذ فرمایا ہے کہ نگاہ کے سوا دوسرے حواس کو مشتعل کرنے والی چیزیں بھی اُس مقصد کے خلاف ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اظہارِ زینت سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے عورتوں کو حکم دیا کہ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔

اسی طرح آپ نے اس بات کو بھی ناپسند فرمایا کہ عورتیں بلاضرورت اپنی آواز مردوں کو سنائیں۔

[۴۸] یعنی اُن لغزشوں اور غلطیوں سے توبہ کرو جو اس معاملے میں اب تک کرتے رہے ہو، اور آئندہ کے لیے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح اُن ہدایات کے مطابق کر لو جو اللہ اور اس کے رسول نے دی ہیں۔

[۴۹] اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن دوسری اصلاحات کا بھی ایک خلاصہ دے دیا جائے جو اِن احکام کے نزول کے بعد قرآن کی روح کے مطابق نبی ﷺ نے اسلامی معاشرے میں رائج فرمائیں:

(۱) آپ نے محرم رشتہ داروں کی غیر موجودگی میں دوسرے لوگوں کو (خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں) کسی عورت سے تنہا ملنے اور

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ

تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں،[۵۰] اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں،[۵۱] ان کے نکاح کر دو۔[۵۲]

اس کے پاس تنہا بیٹھنے سے منع فرما دیا۔ (ترمذی، احمد)

(۲) آپ نے اس کو بھی جائز نہیں رکھا کہ کسی مرد کا ہاتھ کسی غیر محرم عورت کے جسم کو لگے۔ چنانچہ آپ مردوں سے بیعت تو ہاتھ میں ہاتھ لے کر کرتے تھے، لیکن عورتوں سے صرف زبانی عہد لیتے تھے اور جب وہ عہد کر چکتی تھیں تو فرماتے، "جاؤ بس تمہاری بیعت ہو گئی۔" (ابوداؤد، کتاب الخراج)

(۳) آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تنہا یا غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ (بخاری و مسلم)

(۴) آپ نے عورتوں اور مردوں کے اختلاط کو روکنے کی عملاً بھی کوشش فرمائی اور قولاً بھی اس سے منع فرمایا۔ اسلامی زندگی میں جمعہ اور جماعت کی جو اہمیت ہے، کسی صاحب علم سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن نبیؐ نے عورتوں کو جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا۔ (ابوداؤد) اور نماز باجماعت میں عورتوں کی شرکت نہ صرف یہ کہ لازم نہیں رکھی بلکہ اس کی اجازت ان الفاظ میں دی کہ اگر وہ آنا چاہیں تو انہیں روکو نہیں۔ پھر اس کے ساتھ یہ تصریح بھی فرما دی کہ ان کے لیے گھر کی نماز مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ (ابوداؤد) مسجد نبوی میں حضورؐ نے عورتوں کے داخل ہونے کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص کر دیا تھا۔ (ابوداؤد، باب اعتزال النساء فی المساجد) جماعت میں عورتوں کی صفیں مردوں سے پیچھے رکھی جاتی تھیں اور نماز کے خاتمے پر حضورؐ سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر توقف فرماتے تھے تاکہ مردوں کے اٹھنے سے پہلے عورتیں اُٹھ کر چلی جائیں۔ (احمد و بخاری بروایت ام سلمہ) عیدین کی نماز میں عورتیں شریک ہوتی تھیں مگر ان کی جگہ مردوں سے الگ تھی اور نبی ﷺ خطبے کے بعد عورتوں کی طرف جا کر ان کو الگ خطاب فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم بروایت ابن عباس) ان احکام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجلس اسلام کے مزاج سے کیسی سخت مغایرت رکھتی ہے۔ جو دین خدا کے گھر میں عبادت کے موقع پر بھی دونوں صنفوں کو خلط ملط نہیں ہونے دیتا اس کے متعلق کون تصور کر سکتا ہے کہ وہ کالجوں میں، دفتروں میں، کلبوں اور جلسوں میں اسی اختلاط کو جائز رکھے گا۔

(۵) عورتوں کو اعتدال کے ساتھ بناؤ سنگھار کرنے کی آپ نے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ بسا اوقات خود اس کی ہدایت فرمائی ہے، مگر اس میں حد سے گزر جانے کو بڑی سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اُس زمانے میں جس قسم کے بناؤ سنگھار عرب کی عورتوں میں رائج تھے اُن میں سے حسب ذیل چیزوں کو آپ نے قابلِ لعنت اور سببِ ہلاکتِ اقوام قرار دیا: اپنے بالوں میں دوسرے بال ملا کر ان کو زیادہ لمبا اور گھنا دکھانے کی کوشش کرنا۔ جسم کے مختلف حصوں کو گودنا اور مصنوعی تلِ بنانا۔ بال اکھاڑ اکھاڑ کر بھویں خاص وضع کی بنانا اور روئیں نوچ نوچ کر منہ صاف کرنا۔ دانتوں کو گھس گھس کر باریک بنانا یا دانتوں کے درمیان مصنوعی جھنیاں پیدا کرنا۔ زعفران یا ورس وغیرہ کے مصنوعی اُبٹنے مل کر چہرے پر مصنوعی رنگ پیدا کرنا۔ یہ احکام صحاح ستہ اور مسند احمد میں حضرت عائشہؓ، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، اور امیر معاویہؓ سے معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہیں۔

[۵۰] اصل میں لفظ اَیَامیٰ استعمال ہوا ہے۔ ایامیٰ جمع ہے اَیِّم کی، اور اَیِّم ہر اُس مرد کو کہتے ہیں جس کی کوئی بیوی نہ ہو، اور ہر اس عورت کو کہتے ہیں جس کا کوئی شوہر نہ ہو۔ اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ مجرد کیا ہے۔

[۵۱] یعنی جن کا روّیہ تمہارے ساتھ بھی اچھا ہو، اور جن میں تم یہ صلاحیت بھی پاؤ کہ وہ ازدواجی زندگی نباہ لیں گے۔ مالک کے ساتھ جس غلام یا لونڈی کا رویہ ٹھیک نہ ہو اور جس کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ توقع بھی نہ ہو کہ شادی ہونے کے بعد اپنے شریک زندگی کے ساتھ اُس کا نباہ ہو سکے گا، اُس کا نکاح کر دینے کی ذمہ داری مالک پر نہیں ڈالی گئی ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ ایک دوسرے فرد کی

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ

اگر وہ غریب ہوں تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے گا،[۵۳] اللہ بڑی وسعت والا اور علیم ہے۔ اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں انھیں چاہیے کہ عفّت مآبی اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے۔[۵۴] اور تمہارے مملوکوں میں جو مکاتبت کی درخواست کریں[۵۵] ان سے مکاتبت[۵۶] کر لو،

زندگی کو خراب کرنے کا ذریعہ بن جائے گا۔

[۵۲] بظاہر یہاں صیغۂ امر دیکھ کر علماء کے ایک گروہ نے یہ خیال کر لیا کہ ایسا کرنا واجب ہے۔ حالانکہ معاملے کی نوعیت خود بتا رہی ہے کہ یہ حکم وجوب کے معنی میں نہیں ہو سکتا۔ {اور یہی جمہور فقہا کی رائے ہے} کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کام کو واجب نہیں بلکہ مندوب قرار دیتا ہے، یعنی اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عام طور پر یہ فکر ہونی چاہیے کہ ان کے معاشرے میں لوگ بن بیاہے نہ بیٹھے رہیں۔ خاندان والے، دوست، ہمسائے سب اس معاملے میں دلچسپی لیں، اور جس کا کوئی نہ ہو اس کو حکومت اِس کام میں مدد دے۔

[۵۳] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کا بھی نکاح ہو جائے گا اللہ اس کو مال دار بنا دے گا، بلکہ مدعا یہ ہے کہ لوگ اس معاملے میں بہت زیادہ حسابی بن کر نہ رہ جائیں۔ اس میں لڑکی والوں کے لیے بھی ہدایت ہے کہ نیک اور شریف آدمی اگر ان کے ہاں پیغام دے تو محض اس کی غربت دیکھ کر انکار نہ کر دیں۔ لڑکے والوں کو بھی تلقین ہے کہ کسی نوجوان کو محض اس لیے نہ بٹھا رکھیں کہ ابھی وہ بہت نہیں کما رہا ہے۔ اور نوجوانوں کو بھی نصیحت ہے کہ زیادہ کشائش کے انتظار میں اپنی شادی کے معاملے کو خواہ مخواہ نہ ٹالتے رہیں۔ تھوڑی آمدنی بھی ہو تو اللہ کے بھروسے پر شادی کر ڈالنی چاہیے۔

[۵۴] ان آیات کی بہترین تفسیر وہ احادیث ہیں جو اس سلسلہ میں نبی ﷺ سے مروی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''نوجوانو، تم میں سے جو شخص شادی کر سکتا ہو اسے کر لینی چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو بدنظری سے بچانے اور آدمی کی عفت قائم رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے آدمی کی طبیعت کا جوش ٹھنڈا کر دیتے ہیں۔'' (بخاری و مسلم) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: ''تین آدمی ہیں جن کی مدد اللہ کے ذمے ہے، ایک وہ شخص جو پاک دامن رہنے کے لیے نکاح کرے، دوسرے وہ مکاتب جو مالِ کتابت ادا کرنے کی نیت رکھے، تیسرے وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے۔'' (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، احمد۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو، النساء، آیت ۲۵)

[۵۵] مکاتبت کے لفظی معنی تو ہیں ''لکھا پڑھی،'' مگر اصطلاح میں یہ لفظ اِس معنی میں بولا جاتا ہے کہ کوئی غلام یا لونڈی اپنی آزادی کے لیے اپنے آقا کو ایک معاوضہ ادا کرنے کی پیشکش کرے اور جب آقا اسے قبول کر لے تو دونوں کے درمیان شرائط کی لکھا پڑھی ہو جائے۔ اسلام میں غلاموں کی آزادی کے لیے جو صورتیں رکھی گئی ہیں یہ ان میں سے ایک ہے۔

[۵۶] اس آیت کا مطلب فقہاء کے ایک گروہ نے یہ لیا ہے کہ جب کوئی لونڈی یا غلام مکاتبت کی درخواست کرے تو آقا پر اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب اور مندوب ہے۔ {پہلا گروہ کہتا ہے کہ} آیت کے الفاظ ہیں

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے،[۵۷] اور ان کو اُس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔[۵۸]

كَاتِبُوْهُمْ، ''ان سے مکاتبت کرلو۔'' یہ الفاظ صاف طور پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ دوسرے گروہ کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف فَكَاتِبُوْهُمْ نہیں فرمایا ہے بلکہ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ارشاد فرمایا ہے، یعنی ''ان سے مکاتبت کرلو اگر ان کے اندر بھلائی پاؤ۔'' یہ بھلائی پانے کی شرط ایسی ہے جس کا انحصار مالک کی رائے پر ہے، اور کوئی متعین معیار اس کا نہیں ہے جسے کوئی عدالت جانچ سکے۔ قانونی احکام کی یہ شان نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے اس حکم کو تلقین اور ہدایت ہی کے معنی میں لیا جائے گا نہ کہ قانونی حکم کے معنی میں۔

[۵۷] بھلائی سے مراد تین چیزیں ہیں:

ایک یہ کہ غلام میں مال کتابت ادا کرنے کی صلاحیت ہو، یعنی وہ کما کر یا محنت کر کے اپنی آزادی کا فدیہ ادا کرسکتا ہو۔

دوسرے یہ کہ اس میں اتنی دیانت اور راست بازی موجود ہو کہ اس کے قول پر اعتماد کر کے معاہدہ کیا جاسکے۔

تیسرے یہ کہ مالک اس میں ایسے بُرے اخلاقی رجحانات، یا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کے ایسے تلخ جذبات نہ پاتا ہو جن کی بنا پر یہ اندیشہ ہو کہ اس کی آزادی مسلم معاشرے کے لیے خطرناک ہوگی۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ معاملہ جنگی قیدیوں کا بھی تھا جن کے بارے میں یہ احتیاطیں ملحوظ خاطر رکھنے کی ضرورت تھی۔

[۵۸] یہ عام حکم ہے جس کے مخاطب آقا بھی ہیں، عام مسلمان بھی اور اسلامی حکومت بھی۔

آقاؤں کو ہدایت ہے کہ مال کتابت میں سے کچھ نہ کچھ معاف کردو۔

عام مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ جو مکاتب بھی اپنا مال کتابت ادا کرنے کے لیے ان سے مدد کی درخواست کرے، وہ دل کھول کر اس کی امداد کریں۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ایک فی الرقاب بھی ہے، یعنی ''گردنوں کو بندغلامی سے رہا کرانا'' (سورۂ توبہ، آیت ۶۰) اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک فک رقبہ ''گردن کا بند کھولنا'' ایک بڑی نیکی کا کام ہے (سورۂ بلد، آیت ۱۳)۔

اسلامی حکومت کو بھی ہدایت ہے کہ بیت المال میں جو زکوٰۃ جمع ہو اُس میں سے مکاتب غلاموں کی رہائی کے لیے ایک حصہ خرچ کریں۔

اِس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ قدیم زمانے میں غلام تین طرح کے تھے۔ ایک جنگی قیدی۔ دوسرے، آزاد آدمی جن کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا اور بیچ ڈالا جاتا تھا۔ تیسرے وہ جو نسلوں سے غلام چلے آرہے تھے۔ اسلام جب آیا تو عرب اور بیرون عرب، دنیا بھر کا معاشرہ اِن تمام اقسام کے غلاموں سے بھرا ہوا تھا اور سارا معاشی و معاشرتی نظام مزدوروں اور نوکروں سے زیادہ اِن غلاموں کے سہارے چل رہا تھا۔ اسلام کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ یہ غلام جو پہلے سے چلے آرہے ہیں اُن کا کیا کیا جائے۔ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ آئندہ کے لیے غلامی کے مسئلے کا کیا حل ہے۔ پہلے سوال کے جواب میں اسلام نے یہ نہیں کیا کہ یکلخت قدیم زمانے کے تمام غلاموں پر سے لوگوں کے حقوقِ ملکیت ساقط کردیتا، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ پورا معاشرتی و معاشی نظام مفلوج ہوجاتا، بلکہ عرب کو امریکہ کی خانہ جنگی سے بھی بدرجہا زیادہ سخت تباہ کن خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑتا اور پھر بھی اصل مسئلہ حل نہ ہوتا جس طرح امریکہ میں حل نہ ہوسکا اور سیاہ فام لوگوں (Negroes) کی ذلت کا مسئلہ بہرحال باقی رہ گیا۔ اس احمقانہ طریقِ اصلاح کو چھوڑ کر اسلام نے فکّ رَقَبَہ کی ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین و ترغیب، مذہبی احکام اور ملکی قوانین کے ذریعہ سے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ یا تو آخرت کی نجات کے لیے طوعاً غلاموں کو آزاد کریں، یا اپنے قصوروں کے کفارے ادا کرنے کے لیے مذہبی احکام کے تحت انہیں رہا کریں، یا مالی

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ

اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں،[۵۹] اور جو کوئی اُن کو مجبور کرے تو اِس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔

معاوضہ لے کر ان کو چھوڑ دیں۔ اس تحریک {کے نتیجے میں} جہاں تک سابق دور کے غلاموں کا تعلق ہے، وہ خلفائے راشدین کا زمانہ ختم ہونے سے پہلے ہی تقریباً سب کے سب رہا ہو چکے تھے۔

اب رہ گیا آئندہ کا مسئلہ۔ اِس کے لیے اسلام نے غلامی کی اِس شکل کو تو قطعی حرام اور قانوناً مسدود کر دیا کہ کسی آزاد آدمی کو پکڑ کر غلام بنایا اور بیچا اور خریدا جائے۔ البتہ جنگی قیدیوں کو صرف اُس صورت میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت (حکم نہیں بلکہ اجازت) دی جب کہ اُن کی حکومت ہمارے جنگی قیدیوں سے اُن کا تبادلہ کرنے پر راضی نہ ہو، اور وہ خود بھی اپنا فدیہ ادا نہ کریں۔ پھر اِن غلاموں کے لیے ایک طرف اِس امر کا موقع کھلا رکھا گیا کہ وہ اپنے مالکوں سے مکاتبت کر کے رہائی حاصل کر لیں اور دوسری طرف وہ تمام ہدایات ان کے رہائی کے حق میں موجود ہیں جو قدیم غلاموں کے بارے میں تھیں۔ یہ حل ہے جو اسلام نے غلامی کے مسئلے کا کیا ہے۔

[۵۹] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر لونڈیاں خود پاک دامن نہ رہنا چاہتی ہوں تو ان کو قحبہ گری پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر لونڈی خود اپنی مرضی سے بدکاری کی مرتکب ہو تو وہ اپنے جرم کی آپ ذمہ دار ہے، قانون اس کے جرم پر اُسی کو پکڑے گا، لیکن اگر اس کا مالک جبر کر کے اس سے یہ پیشہ کرائے تو ذمہ داری مالک کی ہے اور وہی پکڑا جائے گا۔ رہا ''دنیوی فائدوں کی خاطر'' کا فقرہ تو دراصل یہ ثبوتِ حکم کے لیے شرط اور قید کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے کہ اگر مالک اس کی کمائی نہ کھا رہا ہو تو لونڈی کو قحبہ گری پر مجبور کرنے میں وہ مجرم نہ ہو، بلکہ اس سے مقصود اُس کمائی کو بھی حرمت کے حکم میں شامل کرنا ہے جو اس ناجائز جبر کے ذریعہ حاصل کی گئی ہو۔

اِس حکم کا پورا مقصد اچھی طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اُن حالات کو بھی نگاہ میں رکھا جائے جن میں یہ نازل ہوا ہے۔ اُس وقت عرب میں قحبہ گری کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک خانگی کا پیشہ۔ دوسرے باقاعدہ چکلہ۔

''خانگی'' کا پیشہ کرنے والی زیادہ تر آزاد شدہ لونڈیاں ہوتی تھیں جن کا کوئی سرپرست نہ ہوتا، یا ایسی آزاد عورتیں ہوتی تھیں جن کی پشت پناہی کرنے والا کوئی خاندان یا قبیلہ نہ ہوتا۔

دوسری صورت، یعنی کھلی قحبہ گری، تمام تر لونڈیوں کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ اس کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ لوگ اپنی جوان لونڈیوں پر ایک بھاری رقم عائد کر دیتے تھے کہ ہر مہینے اتنا کما کر ہمیں دیا کرو، اور وہ بے چاریاں بدکاری کرا کر یہ مطالبہ پورا کرتی تھیں۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی جوان جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو کوٹھوں پر بٹھا دیتے تھے اور ان کے دروازوں پر جھنڈے لگا دیتے جنہیں دیکھ کر دور ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ ''حاجت مند'' آدمی کہاں اپنی حاجت رفع کر سکتا ہے۔ یہ عورتیں ''قلیقیات'' کہلاتی تھیں اور ان کے گھر ''مواخیر'' کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے بڑے معزز رئیسوں نے اس طرح کے چکلے کھول رکھے تھے۔ {رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی ایسی ہی ایک لونڈی} جس کا نام معاذہ تھا مسلمان ہو گئی اور اس نے توبہ کرنی چاہی۔ ابن اُبی نے اس پر تشدد کیا۔ اس نے جا کر حضرت ابوبکرؓ سے شکایت کی۔ انہوں نے معاملہ سرکار تک پہنچایا، اور سرکارِ رسالت مآبؐ نے حکم دے دیا کہ لونڈی اس ظالم کے قبضے سے نکال لی جائے۔ (ابن جریر ج ۱۸، ص ۵۵ تا ۵۸۔ ۱۰۳-۱۰۴۔ الاستیعاب لابن عبدالبر، ج ۲، ص ۷۶۲۔ ابن کثیر ج ۳، ص ۲۸۸-۲۸۹)

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ ع ۴ ۸ ۱۰

ہم نے صاف صاف ہدایت دینے والی آیات تمہارے پاس بھیج دی ہیں، اور ان قوموں کی عبرت ناک مثالیں بھی ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں جو تم سے پہلے ہو گزری ہیں، اور وہ نصیحتیں ہم نے کر دی ہیں جو ڈرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔[۶۰] ع اللہ[۶۱] آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔[۶۲]

یہی زمانہ تھا جب بارگاہ خداوندی سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اصل مقصود محض لونڈیوں کو جرمِ زنا پر مجبور کرنے سے روکنا نہیں ہے بلکہ دولت اسلامیہ کے حدود میں قحبہ گری (Prostitution) کے کاروبار کو بالکل خلافِ قانون قرار دے دینا ہے، اور ساتھ ساتھ اُن عورتوں کے لیے اعلانِ معافی بھی ہے جو اس کاروبار میں جبراً استعمال کی گئی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان آ جانے کے بعد نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ لامُسَاعاة فی الاسلام، ''اسلام میں قحبہ گری کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔'' (ابوداؤد) دوسرا حکم جو آپ نے دیا وہ یہ تھا کہ زنا کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی حرام، ناپاک اور قطعی ممنوع ہے۔ (بخاری، مسلم) تیسرا حکم آپ نے یہ دیا کہ لونڈی سے جائز طور پر صرف ہاتھ پاؤں کی خدمت لی جا سکتی ہے اور مالک کوئی ایسی رقم اس پر عائد، یا اس سے وصول نہیں کر سکتا جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ یہ رقم وہ کہاں سے اور کیا کر کے لاتی ہے۔ (ابوداؤد، کتاب الاجارہ) اس طرح نبی ﷺ نے قرآن کی اس آیت کا منشا کے مطابق قحبہ گری کی اُن تمام صورتوں کو مذہباً ناجائز اور قانوناً ممنوع قرار دے دیا جو اس وقت عرب میں رائج تھیں۔

[۶۰] اس آیت کا تعلق اُس پورے سلسلۂ بیان سے ہے جو آغازِ سورہ سے یہاں تک چلا آ رہا ہے۔ صاف صاف ہدایتیں دینے والی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں {مذکورہ بالا اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی احکام دیے گئے ہیں۔ ان احکام و ہدایات} کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ خدا سے ڈر کر سیدھی راہ اختیار کر لینے والوں کو جس طرح تعلیم دی جاتی ہے وہ تو ہم نے دے دی ہے، اب اگر تم اِس تعلیم کے خلاف چلو گے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ تم اُن قوموں کا سا انجام دیکھنا چاہتے ہو جن کی عبرت ناک مثالیں خود اسی قرآن میں ہم تمہارے سامنے پیش کر چکے ہیں۔

[۶۱] یہاں سے روئے سخن منافقین کی طرف پھرتا ہے جو اسلامی معاشرے میں فتنوں پر فتنے اُٹھائے چلے جا رہے تھے۔ یہ لوگ {بہ ظاہر} مسلمانوں میں شامل تھے، لیکن درحقیقت ان کی دنیا پرستی نے ان کی آنکھیں اندھی کر رکھی تھیں اور دعوائے ایمان کے باوجود وہ اُس نور سے بالکل بے بہرہ تھے جو قرآن اور محمد ﷺ کی بدولت دنیا میں پھیل رہا تھا۔ اِس موقع پر ان کو خطاب کیے بغیر ان کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا جا رہا ہے اس سے مقصود تین امور ہیں۔ اوّل یہ کہ ان کو فہمائش کی جائے۔ دوم یہ کہ ایمان اور نفاق کا فرق صاف صاف کھول کر بیان کر دیا جائے۔ سوم یہ کہ منافقین کو صاف صاف متنبہ کر دیا جائے کہ اللہ کے جو وعدے اہلِ ایمان کے لیے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کو پہنچتے ہیں جو سچے دل سے ایمان لائیں اور پھر اُس ایمان کے تقاضے پورے کریں۔

[۶۲] آسمانوں اور زمین کا لفظ قرآن مجید میں بالعموم ''کائنات'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا نور ہے۔